مناظرہ وکلام

۱۸۸

حسین آباد ۔ لکھنو ۱۴

امامیہ مشن لکھنؤ کا ساتواں تبلیغی رسالہ

حسینؑ

(اردو)

مطبوعہ سرفراز قومی پریس کٹورہ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۱/ محرم ۱۳۵۲ھ محصولڈاک ۰/

يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ

اے قوم جواب دے خدا کی طرف سے پکارنے والے کا

برادران ایمانی - سلامٌ علیکم

امامیہ مشن کی دینی و تبلیغی خدمات آپ حضرات کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں اس سلسلہ میں جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے جب تک کہ ہر ہر فرد قوم تھوڑی تھوڑی قربانی نہ کرے اس کام کو تیزی کے ساتھ آگے نہیں بڑھایا جا سکتا - چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعیان امیر المومنینؑ کثیر تعداد میں اس تبلیغی ادارہ کے ممبر بن کر ہماری تقویت کریں چندہ سالانہ کم سے کم ایک روپیہ ہے اور جو مومنین اس سے زیادہ مرحمت فرماویں وہ اُن کی توفیق پر منحصر ہے اور ممبران کیلئے یہ رعایت ہوگی کہ ممبر بننے کے بعد جو رسالے شائع ہونگے وہ اُن کو نصف قیمت پر دئے جائینگے،

فارم ممبری ہم سے طلب فرمائیے اور خود بھی ممبر بنئے اور دیگر مومنین کو بھی ممبر بنا کر عند اللہ و عند الرسولؐ ماجور ہو جئے -

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن

حسین آباد - لکھنؤ

Presented by Ziaraat.Com

حسینؑ اور اسلام

(مصنفہ)

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر مدظلہٗ

Presented by Ziaraat.Com

امامیہ مشن کی ساتوین مذہبی خدمت

حضرات - امامیہ مشن کو قائم ہوے بہت کم عرصہ گذرا ہی جو چند مہینون سے زیادہ نہین لیکن اتنے ہی قلیل عرصہ مین اُسکے مذہبی خدمات اُس کا کافی تعارف کرا چکے ہین -

اس مشن نے اس عرصہ مین چھہ مستقل رسالے شایع کرنیکے علاوہ ایک ایک رسالہ کے دو۲ دو۲ اور تین تین۳ اڈیشن بھی شایع کیے جو اسکے خدمات قومی کی مقبولیت کا نتیجہ ہین -

امامیہ مشن کی یہ ساتوین خدمت سید حسین ع کے نام کو اپنا سر نامہ بنائے ہوے آپکے سامنے آرہی ہی خدا سے دعا ہی کہ وہ اسکو بھی قبول فرمائے اور جس مقصد کیلئے اسکی شاعت کیجارہی ہی وہ پائہ تکمیل کو پہونچے والسلام

خادم ملت - سید ابن حسین عفی عنہٗ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن - لکھنؤ

Presented by Ziaraat.Com

Oriental Section
URDU PRINTED
۲۵ے ۱۹۶۷ء
۲۵۷ے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین

حسینؑ اور اسلام

حسینؑ تاریخی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہیں، انکی شخصیت اور عظیم کارنامے کروروں افراد کے سر عقیدت کو خم کئے ہوئے ہیں، تم نے ممکن ہے کہ انکے عظیم کارنامۂ زندگی کے مطالعہ اور انکے حیرت انگیز ثبات قدم اور استقلال و تدبر سے بھرے ہوئے بے مثال اقدام اور قربانی کے حالات پر اطلاع حاصل کرنیکا موقع نہ پایا ہو لیکن کم سے کم تم نے حسینؑ کا نام ضرور سنا ہوگا اور اتنا جانتے ہو گے کہ وہ کسی بڑے تاریخی واقعہ کے ہیرو ہیں ممکن ہے یہ خیال بھی تمہارے دل میں کبھی آتا ہو کہ یہ حسین کون تھے اور

آخر اس واقعہ کی خصوصیات کیا ہیں جو اس بڑے انسان کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اچھا تو پھر آؤ اور صبر و سکون کے چند لمحے مجھکو عاریت دو۔ میں تم کو حسینؑ اور انکے مشن کی جس کے سلسلہ میں انھوں نے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کیا مختصر لفظوں میں تنہا سا کرادوں جس سے تم کو حسینؑ اور ان کے اقدامات کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکا موقع مل سکے۔

حسینؑ کون تھے؟

حسینؑ کیساتھ اسلام کا روحانی تعلق

چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ دنیا تاریکی کے عظیم دور سے گذر رہی تھی اور انسانی تمدن کی کشتی تفرقہ اور فساد کے طوفان سے ڈانواڈول تھی جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا آفتاب طالع ہوا جسکی ابتدائی کرنیں اگرچہ حجاز کے مرکزی مقام مکہ معظمہ سے ظاہر ہوئی تھیں لیکن رفتہ رفتہ

اسکی روشنی شرق و غرب عالم پر چھا گئی اور دنیا کو روشن کر دیا۔

یہ ہردلعزیز اور عالمگیر مذہب جس کا نام ہے اسلام اپنے ابتدائی دور میں ترقی و اشاعت کی حیثیت سے دو عظیم شخصیتوں کی جانفشانی اور انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ایک پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے انکے چچازاد بھائی علی بن ابیطالب،

اگرچہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام نے جو خدمات انجام دی ہین اور جان نثاری و فداکاری کے فرض کو انجام دیا ہے انکو نظر انداز نہین کیا جاسکتا اور وہ تاریخ مین سنہری حرفون سے لکھے جانیکے قابل ہین لیکن اُن کو اسلام کے سنگ بنیاد نصب ہونے اور اسکے بعد والے ابتدائی مراحل سے کوئی تعلق نہین ہے اور نہ اسکے بعد انھین اساسی حیثیت دیجاسکتی ہے بلکہ وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہین۔ لیکن حقیقۃً انہی دو بزرگون کے ثبات قدم اور حیرت ناک استقلال اور اپنے خون کو پسینہ سمجھ لینے کا اثر تھا کہ اسلام کی بنیادین قائم ہوئین اور حیرت ناک تیزی کیسا

Presented by Ziaraat.Com

اسکی اشاعت ہوئی۔

قدرت کو ان دونوں بھائیوں کے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا حضرت رسول اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بیاہ حضرت علی بن ابیطالبؑ کا عقد ہوا اور اس طرح علی کو بھائی ہونیکے علاوہ ایک قسم کی فرزندی بھی رسولؐ سے حاصل ہوگئی اور یہ دونوں سلسلے کہ جو اشاعت اسلام میں متحد تھے اور زیادہ استحکام کیساتھ ایک نقطہ پر جمع ہوگئے۔

انہی ماں باپ حضرت فاطمہ اور علی بن ابیطالبؑ سے دو بچے متولد ہوئے جن کا نام تھا حسنؑ اور حسینؑ اور عین اس وقت کہ جب اسلام ایک نوعمر بچہ کی حیثیت سے رسول اسلام کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا ان دونوں بچوں کی ولادت ہوئی جن کی پرورش بھی رسولؐ کی آغوش میں شروع ہوئی اور اس طرح ان دونوں کا اور اسلام کا گہوارۂ تربیت ایک قرار پایا، ایک طرف نانا کہ جو بانی اسلام تھے اور دوسری طرف باپ جو مجاہد

محامی اسلام تھے اُن کے خدمات اور کارگزاریاں سامنے تھیں اور اس ماحول کے باعث اسلام کیساتھ روحانی تعلق اور دلی ارتباط ان دونوں بچوں میں بچپنے ہی سے راسخ ہوگیا اور جتنی عمر بڑھتی گئی اُلفت اسلام کا جذبہ مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا۔

مذہبی عقائد سے جن کی بناء پر یہ دونوں بزرگ (حسن و حسین) امام خلق اور حقیقی ذمہ دار اسلام قرار پاتے ہیں بالکل الگ ہوکر تاریخی اعتبار سے بھی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی زندگی پابندی شریعت اور حفظان اصول مذہب کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کا مکمل آئینہ اور احکام شریعت کا مجسم نمونہ تھی اور اسلئے بھی اسلام اور شریعت اسلام کے ساتھ جتنی گہری ہمدردی ان کو ہوسکتی تھی کسی کو نہیں۔

بنی امیہ کا دورِ حکومت

یا

تاریخ کا ایک سیاہ ورق

پیغمبر اسلام کی وفات اسلام کیلئے ایک سخت ترین مصیبت تھی جسکے بعد ہی سے اسکی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے شروع شروع میں کچھ عرصہ تک اسکی سادگی اور حقیقت پروری، ظاہری جاہ و عزت سے بےتعلقی اور مادی ساز و سامان سے کنارہ کشی ایک حد تک محفوظ تھی لیکن ادھر فتوحات نے ترقی کی قیصر و کسریٰ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، شاہانہ تزک و احتشام اور سلطنتی جاہ و جلال سے آنکھیں دوچار ہوئیں ادھر اسلامی افراد میں بھی کشور آرائی اور جہانبانی کے جذبات نے پرورش پائی اور مذہبی پابندیوں کے بجائے سیاسی منصوبہ بازیوں اور کمزوروں کے مقابلہ میں جابرانہ طاقتوں کے مظاہرہ کا دور دورہ ہوگیا۔

Presented by Ziaraat.Com

رسول اور انکے خاندان (بنی ہاشم) کے قدیمی حریف بنی امیہ کہ جو برابر رسول ملے شاعت اسلام کے خلاف اپنی طاقت کے آخری نفس تک جنگ کرتے رہے اور سب سے آخر میں آمید کے تمام رشتے منقطع ہو جانیکے بعد بادل ناخواستہ اسلام لائے تھے انھیں ان انقلابات میں اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کا اچھا موقع ملا۔

حضرت خلیفہ ثانی (عمر بن الخطاب) ہی کے دور میں شام پر ان کا تسلط ہو گیا تھا جو صرف گورنری کی حیثیت سے تھا۔ لیکن قدم جمانے کیلئے بہت کافی تھا۔

تیسرے دور میں خوش قسمتی سے مرکزی حکومت یعنی خلافت کا سہرا بھی بنی امیت کے سر پر بندھا اور اس گروہ کو اسلام کے نقشہ اپنے دیرینہ منصوبوں کے پورا کرنیکا پورا موقع مل گیا۔

حضرت خلیفہ ثالث کے ساتھ حسن ظن کو راہ دیتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ صاف و سادہ لوح خلیفہ وقت کو اپنے ان خاندانی افراد کے اغراض و

Presented by Ziaraat.Com

مقاصد اور اُنکے اطوار و حالات کی اطلاع نہ تھی لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس عہد میں صحابہ رسول اور سچے اسلامی فرزندوں کیساتھ انتہائی شرمناک برتاؤ اختیار کئے گئے اور انہوں کی جانبداری اور اُنکے بدترین مظالم کی حمایت انتہا تک پہنچ گئی جسکے بعد پانی سر سے اونچا ہو گیا اور مظالم کو برداشت کرتے کرتے صبر کے پیمانے لبریز ہو گئے جس کا افسوسناک نتیجہ قتل خلیفہ کی صورت میں ظاہر ہوا -

تاریخ کے مطالعہ سے اس قتل کی بہت کچھ ذمہ داری بنی اُمیہ کے سر دکھائی دیتی ہے -

اسکے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور خلافت کیلئے بڑے بڑے صحابہ کرام اور اہل حل و عقد کے اتفاق آراء سے حضرت علیؑ کا انتخاب ہوا اور سب نے باتفاق آپکی بیعت کی لیکن گورنر شام معاویہ بن ابی سفیان جو وہاں پورے طور پر قبضہ جما چکے تھے وہ اسلامی متفقہ فیصلہ کے سامنے سرنگوں نہونا تھے نہوے اور خون حضرت عثمان کی طلب کے

بہانے سے علی بن ابیطالبؑ سے برسر پیکار ہوئے چنانچہ جنگ صفین کے سیکڑوں معرکے جن میں ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہ گیا اسی کا کرشمہ تھے۔

آخر اس جنگ کا فیصلہ ایک مکارانہ مصالحت کیشا ہوا جس میں اگر دیانت و امانت کا جوہر کارفرما ہوتا تو یقیناً مسلمانوں کے درمیان ناگوار اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن افسوس کہ حرص و آز کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اس ظاہری مصالحت کو فتنہ و فساد کا پیش خیمہ قرار دیدیا اور اختلاف و فراق کی خلیج پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئی۔

یہ وہ وقت تھا کہ شام کے تخت پر بنی امیہ کے قدم پوری طاقت کیساتھ جم گئے تھے اُدھر امیر المؤمنین علیؑ کو مسجد کوفہ میں شہید کیا گیا ادھر شام میں مخالفت اہلبیت کا طوفان پوری قوت پر بلند ہو گیا اور دمشق بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے منبروں پر کمال جرأت کیشا اہلبیت رسولؐ پر لعن طعن کا بازار گرم ہو گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

اس زمانہ کے بعض اہم خصوصیات امیر معاویہ اگرچہ صحابہ رسول کی ایک ممتاز فرد سمجھے جاتے ہیں لیکن اُن کے دورِ حکومت کے یہ افسوسناک خصوصیات ہیں جو اسلامی تاریخ میں جلی حرفوں سے مرقوم نظر آتے ہیں اور اُن سے اُس زمانہ میں اسلام کے ضعف و کس مپرسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) وضع احادیث اور خدا و رسولؐ پر افترا و بہتان کوئی جرم نہ رہا بلکہ اس پر مخصوص مصالح کے تحت میں جائزہ و انعام دیا جاتا تھا چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد مدائنی جو اسلامی مورخین میں بڑے پایہ کا شخص ہے اس نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کے حالات درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کتب معاویۃ الی عمالہ فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شہادۃ وکتب الیہم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبیہ واھل ولایتہ الذین یروون فضائلہ ومناقبہ فادنوا مجالسھم وقربوھم واکرموھم واکتبوا الی بکل ما یروی کل رجل منھم واسمہ واسم ابیہ وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ

لما كان يبعثه اليهم معاوية من الصلات والكساء والحباء والقطائع

ويفيضه في العرب منهم والموالي فكثر ذلك في كل مصر وتنافسوا في

المنازل والدنيا فليس يجيء امرء من الناس عاملا من عمال

معاوية فيروي في عثمان فضيلة او منقبة الا كتب اسمه وقربه

وشفعه فلبثوا بذلك حينا۔

"معاویہ نے تمام عمال کو لکھا کہ جو شخص حضرت عثمان کی فضیلت میں

کسی حدیث کو بیان کرے اس کا پورا نام مع پتہ کے میرے پاس لکھکر بھیجدو

اور پوری طرح جائزہ و انعام دے اس کو مالا مال کر دو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فضیلت عثمان میں احادیث کثرت سے ہو گئی اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔"

ثم كتب الى عماله ان الحديث في عثمان قد كثر وفشا في كل مصر وكل

وجه وناحية فاذا جاءكم كتابي هذا فادعوا الناس الى الرواية في

فضائل الصحابة والخلفاء الاولين ولا تتركوا خبرا يرويه احد من

المسلمين في ابي تراب الا واتوني بمناقض له في الصحابة فان هذا

Presented by Ziaraat.Com

احب الیّ و اقرّ لعینی و ادحض لحجۃ ابی تراب شیعتہ واشدّ علیہم من مناقب عثمان وفضلہ فقرأت کتبہ علی الناس فرویت احادیث کثیرۃ فی مناقب الصحابۃ مفتعلۃ لا حقیقۃ لھا وجدّ الناس فی روایۃ ما یجری ھذا المجری حتی اشادوا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلّمی الکتاب فعلّموا صبیانہم وغلمانہم من ذلک الکثیر الواسع حتی رووہ وتعلّموہ کما یتعلّمون القرآن وحتی علّموہ بناتہم ونساءہم وخدمہم وحشمہم فلبثوا بذلک ما شاء اللہ۔

"پھر تمام گورنروں کو لکھا گیا کہ عثمان کی فضیلت میں احادیث کا بہت کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے اب تم دیگر صحابہ کے فضائل میں روایت احادیث کی طرف لوگوں کو دعوت دو اور جو کوئی فضیلت بھی ابو تراب کی نسبت احادیث میں وارد ہوئی ہے اسکے مقابل دوسرے صحابہ کیلئے بھی بیان کرو۔ علی اور انکے شیعوں کی دلیل کے باطل کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے، بس پھر کیا تھا، فرمان لوگوں کے سامنے پڑھا گیا اور سیکڑوں

حدیثین صحابہ کبار کے مناقب مین تصنیف ہو گئین جن کی کچھ اصلیت نہ تھی واعظین ان کو منبرون پر پڑہتے اور معلمین مکتب بچون کو قرآن کی طرح حفظ کرانے تھے بلکہ لڑکیون عورتون اور غلامون کنیزون تک کو یاد کرانا ضروری سمجھتے تھے"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سچے اسلامی روایات بھی ان بے حقیقت اخبار کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار بن گئے اور علمی تحقیق و تدقیق مین ایک بہت بڑا رخنہ پڑ گیا۔

(۲) سب و شتم اور اکابر اہل اسلام کو گالیان دینے کا دستور نکل آیا کہ دمشق و شام کے منبرون پر چالیس برس تک یہ رسم ادا ہوتی رہی اور علی بن ابیطالب ؑ کی نسبت اس جسارت کا سلسلہ قائم رہا۔

(۳) بلاد اسلامیہ مین شراب بہت آزادی کیساتھ استعمال کی جانے لگی اور اسکی خرید و فروخت مین کوئی روک ٹوک باقی نہین رہی چنانچہ عبدالرحمن بن سہل انصاری (صحابی رسول ص) نے شراب کے بارے لدے ہوئے

اونٹون کو دیکھا تو اپنے نیزہ کی نوک سے ان مشکون کو پھاڑ ڈالا حضرت معاویہ کو خبر معلوم ہوئی تو کہا اُس بُڈھے کو چھوڑ دو اُسکی عقل جاتی رہی ہے عبدالرحمٰن نے سنا تو کہا خدا کی قسم میری عقل نہین گئی ہر مگر رسالتمآبؐ نے ممانعت فرمائی ہر اس سے کہ شراب ہمارے شکم مین داخل ہو یا برتنون مین رکھی جائے (دیکھو کتاب اسدالغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ صفحہ ۲۹۹ و اصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۲ صفحہ ۴۰۴)

اس سے معلوم ہوتا ہر کہ اس زمانہ مین شراب کی درآمد مسلمانون مین بہت خوبی سے ہو گئی تھی اور اگر کوئی سچا مسلمان تعرض کرتا تھا تو اُسے دیوانہ اور بے عقل کا خطاب دیا جاتا تھا۔

(۴) بیگناہ مسلمانون کا خون بے تحاشے بے دردی سے بہایا جانے لگا ہیکڑون کلمہ گویون کی گردنین زیر تیغ ہو گئین سمرۃ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ اور زیاد بن ابیہ کی سیاہ کاریان اسی عہد کا نامۂ عمل ہین عبداللہ بن عباس کے دو کمسن بچے مان کی گود مین ذبح کر دیے گئے جس سے وہ مجنون

Presented by Ziaraat.Com

ہو گئیں (ملاحظہ ہو استیعاب، ابن عبدالبر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد
جلد اول ص۶۶)

(۵) مذہب کا وقار بالکل کم ہو رہا تھا اور بڑے سے بڑے ارکان مذہبی کو مسخرہ
پن میں اڑایا جاتا تھا۔

امیر معاویہ نے بڑے فخر سے جابر بن قدامہ اور احنف دو شخصوں کی
نسبت فرمایا کہ اشتریت منہما دینہما میں نے ان سے اُن کا مذہب مول
لے لیا ہے (استیعاب ج ۱ ص۱۵۴)

مصر کے لوگوں نے دربار میں آکر السلام علیک یا رسول اللہ کہا
اور اس کو گوارا کر لیا گیا، سزا دینا تو بڑی بات تھی معمولی سی زبانی تنبیہ بھی
نہ کی گئی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۶ ص۱۸۴)

ان دونوں واقعوں کو ہم نے اپنے رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب" میں
تفصیل سے لکھا ہے اور ان سے اس وقت کے اسلامی حساسات و جذبات کی
کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

امیر معاویہ کا زمانہ کسی نہ کسی طرح بسر ہو گیا اور انھوں نے اپنی عمر گذاری

مگر مسلمانوں کے سر ظلم و ستم کے ایسے پونا کو سوار کر گئے جس نے اسلام کے شیرازہ

کو بالکل درہم و برہم کر دیا۔ یزید کے اخلاق و عادات سے امیر معاویہ بیخبر تھے؟

نہیں ہرگز نہیں وہ خود یزید کے خصوصیات سے واقف تھے اور اس کا اظہار

بھی کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب "تطہیر اللسان والجنان"

میں جو حضرت معاویہ کے مناقب و فضائل میں تصنیف کی ہے لکھتے ہیں

کہ ایک روز امیر معاویہ رونے لگے، مروان نے کہا کہ کیوں کیا ہوا؟

آپکے رونیکا سبب؟ جواب دیا کہ

انی شیخ کنت عند عزو باکیت سنی ورق عظمی وکثرت الدمع

فی عینی ورصیت فی احسن مابینہ وبنی ولولا ھوای فی یزید

ابصرت قصدی۔

"دنیا میں کونسی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو، اب سن زیادہ

ہو گیا ہڈیاں گھل گئیں جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ

Presented by Ziaraat.Com

ہوتا تو میں اپنے لیے راہ راست کو حاصل کر لیتا" (حاشیہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص٥٩)

دوسرے مقام پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قولہ ولولا ھوای الخ فیہ غایۃ التسجیل علی نفسہ بان مزید

محبتہ لیزید اعمت علیہ طریق الھدی واوقعت الناس بعدہ

مع ذلک الفاسق المارق فی الردی۔

"ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کر لیا ہے کہ یزید کی محبت نے اس کو

ہدایت کے راستوں سے اندھا بنا دیا ہے اور اسی فرط محبت نے مسلمانوں کو اس کے بعد

ایسے فاسق و فاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کر دیا جو انکی ہلاکت کا باعث ہوا"

(حاشیہ صواعق محرقہ ص٥٣)

اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امیر معاویہ یزید کے افعال عادات سے

بے خبر تھے اور اس کی ولی عہدی نیک نیتی پر مبنی تھی، یزید کی بیعت

مسلمانوں سے بزور لی گئی اور زر و جواہر کے خزانے اس کے لیے وقف

کر دئے گئے۔ یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اس کے فسق و فجور نے زمانہ

Presented by Ziaraat.Com

بپا کردیا ہر طرف معصیت خدا اور مخالفت شریعت کا بازار گرم ہوا، مذہب بازیچۂ اطفال اور اسلام زینت طاق نسیان بن گیا، یزید کے افعال و عادات کے تفصیلی تذکرہ سے ان صفحات کو پر نہیں کیا جا سکتا اسلام کی مستند تاریخیں ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ واقدی نے مختصر الفاظ میں جس طرح یزید کے بدکرداری کی تصویر کھینچی ہے وہ حسب ذیل ہے:

کان رجلا ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ۔

"وہ ایسا شخص تھا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور اپنی بہنوں بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا شراب پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا"

(ملاحظہ ہو صواعق محرقہ، علامہ ابن حجر مکی ص ۱۳۵)

اب بتاؤ کہ کیا اسلامی بادشاہ یا خلیفۃ المسلمین اور مجوسیوں میں کچھ بھی فرق ہوا؟ حد سے زیادہ فاسق اشخاص بھی اپنی ماں بہنوں بیٹیوں سے مقاربت کرنا حمیت و غیرت بلکہ انسانیت کیخلاف سمجھتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

بادشاہ وقت کے ان عادات و اخلاق کو دیکھکر دنیا نے رنگ پکڑ لیا تھا اور مذہبیت بالکل فنا ہو گئی تھی لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے اور کسی کے دہن سے صدائے اعتراض بھی بلند نہ ہوتی تھی۔ سوائے پانچ شخصوں کے تمام صحابہ و تابعین یزید کو خلیفۂ رسول تسلیم کر چکے تھے ان پانچ میں سب سے پہلا نام حسین بن علی کا ہے اور کچھ دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباسؓ یزید کی طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو بھی پابند بنایا جائے اور سب سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کیلئے اہتمام کیا گیا۔

گذشتہ تاریخ اور اسلام کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ علی بن ابیطالبؑ کا فرزند اور خاندان رسولؐ کا سب سے بزرگ اگر ان حالات کی موجودگی میں یزید کی بیعت کر لیتا تو اسلام کا نام بھی باقی نہ رہ سکتا۔

Presented by Ziaraat.Com

حسن مجتبیٰ کی صلح مجاہدۂ کربلا کی تمہید تھی

ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید نتیجہ خیز اور مؤثر ہوتا ہے لیکن اگر وقت سے پہلے کیا جائے تو وہ نتیجۃً مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے کرنے والے کو اکثر ہمیشہ کیلئے مورد الزام بنا دیتا ہے۔

واقعات کی رفتار یکساں نہیں رہتی بلکہ تدریجی حیثیت سے ترقی کرتی ہے اور اُن کا طریقۂ علاج بھی اُسی اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے۔ عالم کا نظام اسی پر قرار پایا ہے اور انسان کی افتاد طبع یوں ہی واقع ہوئی ہے اس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔

زخم رسیدہ پکے ہوئے جزو بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو، پھاہے لگاؤ مرہم بدلو ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلواؤ پھر اگر نہ اچھا ہو اور اُسکی سمیت کے جسم میں سرایت کرنیکا خوف ہو تو اُسے کاٹ کر بھی پھینک دو کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا لیکن اگر زخم پیدا ہونیکے نشتر ہی یا کوئی علاج معالجہ کرنیکے

پہلے ہی کاٹ ڈالتے تو ضرور مورد الزام اور عام طور پر بے عقل سمجھے جاتے حالانکہ
یہ طرز عمل وہی تھا جو بعد میں اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن سمجھا گیا
تھا دشوار گزار حالات کی اصلاح کے لئے قربانی اور وہ بھی جان کی
قربانی کامیاب اور موثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری، جب تمام
وسائل و ذرائع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اسوقت اس کا درجہ
ہے وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک ممدوح ہے اور اگر اس سے پہلے عمل
میں آ گئی تو اس پر جلد بازی غیر موقع شناسی اور ناعاقبت اندیشی وغیرہ
کا الزام آ جانا ضروری ہے جس کے بعد اس کو حق بجانب نہیں سمجھا جا سکتا
اور اسی کے ساتھ اس کی کامیابی اور تاثیر رخصت۔

حالات کی اصلاح کے لئے احتجاج و استغاثہ مصالحت و رواداری
شرط شروط اور قرارداد و معاہدہ یہ سبھی چیزیں ہیں جن کا اختیار
کیا جانا ابتدائی حدود میں ضروری ہے۔

بیشک جب یہ سب وسائل و ذرائع اختیار کئے جانے کے بعد ناکام

Presented by Ziaraat.Com

ثابت ہوں تو پھر من جرّب المجرّب حلّت بہ الندامۃ "آزمودہ را آزمودن جہل ست" کے مطابق انسان سے ان ذرائع کا مطالبہ نہ ہو سکیگا اور اُس کی رفتار عمل کو آگے بڑھکر کسی دوسرے اقدام تک ترتیب کا حق پیدا ہوگا۔ یہی تدریجی رفتار اقدام عمل میں جبتک قائم ہے کامیابی کی توقع ہے ورنہ نہیں ایک بات ہو جانے پر پہلے ہی دن مرنے مارنے پر آمادہ ہو جانے والا مغلوب الغضب کہا جائیگا۔ وہ کسی تعریف کا مستحق نہیں برخلاف اسکے اگر تمام دیگر ذرائع و اسباب کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد انسان کسی اہم مقصد کیلئے جان دینے پر طیار ہو جائے تو فداکاری و جان نثاری اور موثر قربانی قرار پائے گی۔

ایک انسان اگر اپنے افعال و اعمال میں توازن کو ملحوظ رکھتا اور اپنی کارگذاریوں میں صرف جذبات کا فرمانبردار نہیں بلکہ عقلی غور و تدبر کا پابند ہے تو اُسے اس نظام کا پابند ہونا ضروری ہے۔

شام کی اموی سلطنت کے ہاتھوں بیشک مذہب خطرہ میں تھا

Presented by Ziaraat.Com

اور حق و صداقت پامال ہو رہی تھی جس کی اصلاح کیلئے قربانی درکار تھی لیکن اس قربانی کے حق بجانب قرار پانیکے لئے دوسرے پرامن اور صلح پرور وسائل و ذرائع کے صرف کئے جانے کی ضرورت تھی۔

بیشک اگر امام حسینؑ ایکی یکا بغیر کسی قسم کے سابقہ حالات کے یزید کی بیعت سے کنارہ کشی کر کے باوجود فقدان اعوان و انصار مخالفت پہ جس کا لازمی نتیجہ آپکا قتل ہونا تھا طیار ہو جاتے اور ایسا کرتے تو ان سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ آخر امامؑ نے اتحاد عمل کیساتھ حالات کی درستی کی کوشش کیوں نہ کی؟ مخصوص شرائط کیساتھ صلح کر کے اپنے مقاصد کو کیوں نہ حاصل کیا؟ کم سے کم امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کر کے مدینۂ رسول میں قیام پذیر کیوں نہ رہے اور کربلا آکر اپنے تئیں معرض خطر میں کس لئے ڈالا؟

یہ سوالات پیدا ہونے کے بعد جن کا کوئی صحیح حل بھی موجود نہ تھا یقیناً آپکا قتل ہونا صرف جذبات کی کارفرمائی کا نتیجہ قرار پاتا

Presented by Ziaraat.Com

اور اس لئے نہ قابل ستائش ہوتا اور نہ موثر و کامیاب لیکن واقعہ یہ تھا کہ امام حسینؑ کا اقدام عمل یا قربانی وہ ایک مکمل نظام کے تحت میں واقع ہوا تھا جس کیلئے برسوں کی طویل مدت کے حالات موقع کو قریب لا رہے تھے یہانتک کہ ۶۱ ھ میں اسکا وقت آگیا۔

شروع شروع میں امام حسنؑ کا صلح کر لینا اور مخصوص شرائط معاہدہ کے ساتھ سلطنت کی ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر دس برس خاموشی کی زندگی بسر کرنا اور پھر دس ہی برس تک خود امام حسینؑ کا بھی عملی حیثیت سے خاموش رہ کر حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر زبانی یا مکتوبی احتجاج کرتے رہنا لیکن باوجود اسکے حالات کا روبہ اصلاح ہونے کے بدلے بد سے بدتر ہوتے جانا شرائط معاہدہ کا ٹھکرا دیا جانا صلحنامہ کے دفعات کا پامال ہوجانا زبانی احتجاج و استغاثہ پر کوئی شنوائی نہ ہونا بلکہ اپنے انسانیت سوز اور اسلام کش افعال پر بیش از بیش اصرار کیا جانا اور اس سلسلہ میں پانی کا سر اونچا ہو جانا اور معاملات کا حد سے گذر جانا وہ تھا

جس نے امام حسینؑ کیلئے اس عظیم اقدام کا موقع پیدا کر دیا تھا کہ جو انھوں نے کربلا کی سرزمین پر انجام دیا۔

اب اعتراض تاریخی حالات سے بیخبری کا نتیجہ ہوگا کہ حسینؑ نے خود اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اگر وہ مدینہ میں قیام کرتے اور یزید سے برسرِ پرخاش نہ ہوتے تو آپ کا خون کربلا کی زمین پر نہ بہتا۔

یہ خیال بالکل بے حقیقت ہے۔ بنی امیہ کی عداوت بنی ہاشم اور خصوصاً علی بن ابیطالبؑ کی اولاد سے اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ کسی طرح اُن کو چین سے بیٹھنے نہیں دیسکتے تھے اور اُنکی خاموش ہستی بھی اُنکی آنکھوں میں خار بنکر کھٹکتی تھی حسن مجتبیٰؑ نے باوجود صلح جوئی اور خاموشی و کنارہ کشی کیا پھل پایا؟ یہ کہ زہر قاتل کے اثر سے کلیجہ کے ٹکڑے ہوئے اور دشمنوں کی ظلم و بیداد کا خاموش افسانہ سناتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی کتاب محرم نامہ صفحہ ۲۷ اور دوسری کتاب یزید نامہ صفحہ ۸۳ میں لکھتے ہیں۔

"پہلا خون سیدنا حضرت امام حسن کا ہے جو تاریخ کی روایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی قدیم و جدید محاکمہ تاریخی و قانونی انکی بریت اس قتل سے نہیں کرسکتا"۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ عراق میں نہ آتے اور مدینہ میں قیام فرماتے تو ان کے قتل کیلئے کوئی ایسا ہی خاموش حربہ استعمال کردیا جاتا جس طرح حضرت امام حسنؑ پر استعمال کیا گیا۔

اسوقت آپکی جان بھی جاتی اور افراد بشر کے سامنے حقیقت کے واضح ہونیکا بھی کوئی طریقہ نہ ہوتا بلکہ جس طرح اس سے پہلے امام حسنؑ کی شہادت سے انکار کیا جاتا رہا اسی طرح حضرت کی شہادت سے بھی برأت کرنا ضروری خیال کیا جاتا اور یہ یقیناً یزید کی فتح اور حسینؑ کی شکست قرار پاسکتی تھی کیونکہ اس حالت میں اول لذکر نے اپنے مقصد کو حاصل کیا حسینؑ کے وجود کو دنیا سے محو کردیا اور پھر عالم کے سامنے اپنے تئیں بری بھی ثابت کردیا اور حسینؑ نے اپنی جان سے ہاتھ دہویا اور کوئی نتیجہ خیز اثر بھی دنیا میں نہ چھوڑا،

Presented by Ziaraat.Com

بھلا حسینؑ سے مجبر العقول تدبر و استقلال کی مالک ہستی سے کب توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ اس پہلو پر متوجہ نہو حسینؑ نے اپنے معاملہ کو دو مختلف صورتوں میں منحصر پایا، ایک یہ کہ خاموش طریقہ پر اپنی جان سے ہاتھ دہو بیٹھیں اور دین اسلام و شریعت نبویہ بھی یزید کے افعال و اقوال سے محو ہو کر رہے، دوسرے یہ کہ اپنی ہستی کو ظاہری صورت میں دست فنا کے سپرد کر کے ہمیشہ کیواسطے اپنی اور اپنے نانا کی تحریک کو زندہ کر کے اسلام کا ایک پائدار نقش چھوڑ دیں، فرزند رسولؐ نے اپنے عظیم تدبر و عاقبت اندیشی سے کام لیکر دوسری صورت کو ترجیح دی اور اسلام کو زندہ کرنیکے ساتھ اپنی موت کو اپنے اور اسلام دونوں کی فنا کے مقابلہ میں اختیار کیا،

حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے مخالفین کے مفاد کو ہمیشہ کیلئے پامال کر دیا اور یہی وہ عظیم فتح ہے جس کو حضرتؑ نے ظاہری صورت میں فنا ہو کر حاصل کیا۔

Presented by Ziaraat.Com

حسینؑ کا اقدام عمل خالص تبلیغی شان رکھتا تھا
(اور)
تدبر و سیاست کا بہترین نمونہ تھا

امام حسینؑ درحقیقت مدینہ سے اسباب کا بیڑا اٹھا کر نکلے تھے کہ دنیا کے سامنے حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دیں چنانچہ انھوں نے اپنے مقصد کی اشاعت اور یزید کے ننگ انسانیت افعال کو طشت از بام کرنے میں وہ تمام وسائل و ذرائع اختیار کئے جو آن کے عظیم تدبر و سیاست کا پتہ دیتے ہیں -

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ حسینؑ نے مدینۂ رسولؐ کو چھوڑ نیکے بعد مکہ معظمہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا - مکہ معظمہ کا قیام سطحی نظر میں تو اس غرض کیلئے تھا کہ اس مقام مقدس میں خونریزی حرام ہی لہذا انکی زندگی دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ رہیگی لیکن نقطۂ نظر اس شخص کیلئے تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کو آخر تک اپنی جان بچانا منظور ہو مگر حسینؑ کہ جو مرنے پر کمر باندھ

چکے تھے اور پورے طور سے آخر تک ہونیوالے واقعات پیش نظر رکھتے تھے جس کو برابر الفاظ میں بتلاتے بھی رہتے تھے انکی نسبت اس خیال کی کوئی وقعت نہیں دیجا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ قلب جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کا مرکز تھا، اطراف وجوانب کے قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے اور علاوہ فریضہ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے اور جس کی بدولت اشہر حج میں چاروں طرف سے مختلف قبائل عرب کا آنا ضروری ہے خود عرب کے قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیوں سے قائم تھا اور اسلام نے بھی جس کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع بنا رکھا تھا یہ مشہور کانفرنسیں جو شعر و سخن اور خرید و فروخت وغیرہ کیلئے قائم ہوتی تھیں جن کو اسواق العرب کہا جاتا ہے ذی القعدہ سے لیکر محرم تک مکہ، طائف اور مدینہ کے درمیان ہی میں قائم ہوتی تھیں۔

امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی، اگرچہ
مذہبی احساسات مردہ ہو گئے ہوں اور حسینؑ کو ان کے واقعی مراتب کے ساتھ
لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسولؐ کا نواسا، سلطان حجاز و عراق کا فرزند
ملک عرب کا سب سے زیادہ سخی و جواد جس کے گھر سے کبھی کوئی سائل محروم
نہیں پھرا، بنی ہاشم کا بزرگ خاندان، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی
ناواقف نہ تھا اور کسی کو ان کے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

حسینؑ نے یہی زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا مکہ میں اپنے
قیام کے لئے تجویز کیا، ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ حسینؑ اپنے لئے کوئی بڑا لشکر جمع
کرنا چاہتے تھے اور ان قبائل عرب کے ساتھ روابط بڑھا کر اپنی حیثیت کو
مضبوط بنا کر یزید سے مقابلہ کا خیال رکھتے تھے، نہیں ہرگز نہیں، اگر
وہ ایسا چاہتے تو کر سکتے تھے اور مضبوط تحریک بننے کی صورت میں
ممکن نہ تھا کہ اس میں کامیابی نہ ہوتی۔

یمن بالکل نزدیک تھا جس کا اسلام علی بن ابیطالبؑ کا رہین منت تھا

اور اسکی وجہ سے وہان کے رہنے والون کو علی بن ابیطالب اور اُن کے گھرانے
سے پوری ہمدردی حاصل تھی۔

طائف بھی کچھ اولاد رسولؐ کا مخالف نہ تھا لیکن فرزند رسولؐ کو عالمگیری
اور جہانبانی کا شوق نہ تھا، وہ اپنے تئین ایک عظیم الشان بادشاہ تسلیم
کرانے کی ہوس نہ رکھتے تھے، مگر حسینؑ کا قیام مکۂ معظمہ مین صرف اس لئے تھا
کہ جمہور عرب کے اندر صورت حالات کی طرف ایک توجہ پیدا ہو جائے اور یزید
کے افعال و اعمال کا چرچا ہونے لگے۔

حسینؑ کے قتل کیلئے حجاج کے لباس مین شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے
ہون یا حضرت کے پابزنجیر کرکے لئے جانے کا سامان کیا گیا ہو بہر حال معلوم
اسباب و علل کے ماتحت امام کا بیت الحرام سے رخصت ہونا اور زمانۂ حج کے
گذرنے کا انتظار بھی نہ کرنا اس کو امام کے تبلیغی مقصد مین پورا دخل ہے۔
ایکی ایکا خلاف توقع حسینؑ کا حج کو ترک کردینا اور تمام اہل و عیال
کیساتھ مکۂ معظمہ سے نکل کھڑا ہونا ایسی حالت مین کہ حج کا زمانہ بہت کم

Presented by Ziaraat.Com

باقی تھا اس نے تمام قبائل عرب کے نمایندوں میں ایک لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقع کی قلم بند کی گئی ہوتی تو اس میں ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔

حسینؑ بن علیؑ کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟! ان تمام اہل و عیال و اقربا کو لیکر اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیوں چھوڑ دیا؟ (یزید کے خوف سے) کیوں؟ یزید کیا چاہتا ہے؟ (حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے) لاحول ولاقوۃ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ فرزند رسولؐ اور یزید ایسے شرابخوار اور زناکار فاسق و فاجر کی بیعت کرے! اچھا پھر مکہ معظمہ میں کیوں قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی ترک کر دیا؟ (جان کا خطرہ تھا شاید مکہ میں حسینؑ کے قتل کرنے کیلئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے) توبہ توبہ! اس سے بڑھکر سفاکی و ظلم کیا ہوگا کہ فرزند رسولؐ کو حرم میں بھی چین نہ لینے دیا جائے۔"

یہ تذکرے وہ ہوں گے جو مکہ معظمہ اور اس کے اطراف و جوانب میں اکثر

Presented by Ziaraat.Com

باخبر حلقوں میں بہت اہمیت کیساتھ جاری تھے۔

وہ زمانہ کہ جب طرق مراسلت و مخابرت مسدود تھے تار ٹیلیفون وغیرہ خبر رسانی کے ذرائع نایاب اس سے بڑھکر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت کا نہیں ہو سکتا تھا۔ مکہ سے روزانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ جو شخص تازہ اپنے شہر میں آیا اُس کو بھی تازہ واقعات کے ضمن میں حسینؑ کے نقل و حرکت اور اُسکے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں تھا کہ امام کیلئے کوئی بڑا لشکر جمع ہو جائے لیکن مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہو جانے کے سبب حسینؑ کی شہادت عام طور سے نامعلوم اسباب و علل کا نتیجہ قرار نہ پائے تاکہ اہل شام کو اپنے دل سے اُس کیلئے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع ملجائے اور حسینؑ کی مظلومیت و حقانیت مخفی ہو جائے یقیناً اگر امام کی طرف سے ان طرق نشر و اشاعت کو عمل میں نہ لایا جاتا تو یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حسینؑ کا خون رائگان چلا جاتا یا بہ معنی کہ آپ

Presented by Ziaraat.Com

اپنی جان بھی ہاتھ سے کھوتے اور کوئی ہمدردی بھی افراد بشر کے قلوب میں چھوڑ کر نہ جاتے اور نہ وہ مقصود جو آپ کا تھا حاصل ہوتا مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ امام شہید ہوئے اور تمام دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ ناحق قتل کئے گئے، شام کا حاکم اور اسکے دشمن انسانیت وزرار اور ساتھی کسی تہمت تراشنے کا موقع بھی نہ پا سکے۔ اسے خداوند عالم کی قوت قاہرہ کے بعد حسینؑ کے تدبر سے تعلق ہے اور وہ اسباب و علل شہادت کے نشر و اشاعت کا نتیجہ تھا۔ حسینؑ نے اپنی نقل و حرکت کے وجوہ کو زندگی ہی سے عالم اسلام میں شایع کر کے دشمنوں کی زبانیں بند کر دیں اور اپنی مظلومی کے سامنے دنیا کے سر تسلیم کو خم کرا لیا اور اس سے بڑھ کر حقانیت کی تبلیغ کیا ہو سکتی ہے؟

حسینؑ کا قافلہ خاموش مبلغ تھا

حج کا زمانہ تھا عراق، یمن، طائف وغیرہ سب طرف سے قبائل مکہ میں آئے ہوئے تھے، ادھر امام حسینؑ اپنے اہل و اقربا انصار و اصحاب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ خیمہ و خرگاہ تمام اسباب ساتھ لئے ایک بڑے قافلہ کی صورت میں مکہ سے جا رہے تھے،

عالم مسافرت میں زندگی گذارنے والے واقف ہیں کہ راستہ میں چار پانچ آدمیوں کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج ہوتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں کہاں سے آئے ہیں؟ پھر کہاں امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور اصحاب و اعوان کا مختصر لشکر۔ اس پر طرہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہے ہیں مکہ معظمہ کی طرف سے آرہا ہو جبکہ دنیا مکہ معظمہ کی طرف حج کے لئے متوجہ ہے۔ یہ چیز یقیناً جاذب نظر اور جاذب توجہ تھی اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ضروری تھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ کہاں جارہا ہے؟ اور حسینؑ کا نام معلوم ہونے پر وہی سوالات جو ہم نے اس کے قبل درج کئے ہیں۔ چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں۔

فرزدق سے ملاقات امام سے یونہی اتفاقی طور پر ہوئی تھی اور عبداللہ بن مطیع و عمر بن عبدالرحمٰن مخزومی بھی راستہ میں خلاف توقع امام سے دوچار ہو گئے اور پھر جو گفتگو ہوئی وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ حسین بن علیؑ اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانہ خدا کو بمجبوری چھوڑ کر جنگلوں میں راہ پیما تھا خود ایک خاموش مبلغ اور

داعی حق تھا جو دور دور کے لوگوں کو تحقیق حالات اور کشف حقائق پر مجبور کر دیتا تھا۔

کربلا کی سرزمین پر تبلیغ

راستہ کے تمام اہم واقعات کو چھوڑتے ہوئے امام کی اس عظیم الشان تبلیغ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو کربلا کی سرزمین پر حسینؑ سے ظاہر ہوئی، وہ وقت کہ جب حسینؑ کے پیاسے دشمنوں نے چاروں طرف سے امام پر رستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب کو بہ انسانیت و غیرت کو خیرباد کہہ کر فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر باندھ لی تھی اُن کا گمراہی سے باز آنا ناممکن تھا اور حسینؑ اس بات سے واقف تھے لیکن ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ ہے کہ وہ حق کی آواز کو بلند کرتا رہے اور تبلیغ و دعوت میں کوتاہی نہ کرے اور اس فرض کو امام نے خوب ادا کیا۔

ایک شب کی مہلت نماز کیلئے اور مفاد اسلام کی بے نظیر تبلیغ

۹ محرم کو اُس وقت کہ جب خونخوار لشکر کی یورش تھی اور حسینؑ اور اُنکی مختصر

جماعت کے قتل کیلئے حملہ کر دیا گیا تھا حسینؑ نے اپنے بھائی کو بھیجا ایک شب کی مہلت مانگی کیوں؟ کیا اس لئے کہ حسینؑ اپنے اہل حرم سے رخصت ہو لیں، اپنے عزیزوں کو دل بھر کر ایک رات اور دیکھ لیں یا ایک شب میں کوئی سامان جنگ کر لیں؟ نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ آج کی رات بھر خدا کی عبادت کر لیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، شب اس طرح گذاری کہ "لھم دوی کدوی النحل" ہر جماعت کی آوازیں ذکر الٰہی اور تسبیح کیساتھ اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے آواز آتی ہے۔"

اس طرح انھوں نے دکھلا دیا کہ سخت ترین مواقع پر کس طرح اصول مذہب کا خیال رکھا جاتا ہے اور یہ کہ مذہبی جذبہ عالم کے ہر جذبے سے زیادہ پر طاقت ہے۔

دسویں عاشورہ کے دن نماز ظہر گذشتہ موقع سے سخت اور زیادہ کٹھن وہ موقع تھا جب لڑائی شروع ہو چکی تھی حسینی مختصر لشکر کے بہت سے

جوان قتل ہو چکے تھے اور کمزوری محسوس ہونے لگی تھی تیرون کی بارش تھی اور کمانون کے کڑکنے کی گرج لیکن اس حالت مین بھی نماز ظہر بجماعت ادا کی گئی اور ایسی نماز کہ جس کی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہین کر سکتی۔

امام روبقبلہ اور مجاہدین کی صفین پیچھے اور دو بہادر جوان امام کے آگے سینہ سپر بنے ہوئے کہ جو تیر آئے وہ اپنے اوپر روکین جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نماز ختم ہوتے ہوتے ان دونون بہادرون مین سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی زمین پر گر کر تڑپنے لگتے ہین اور دنیا سے رخصت ہو جاتے ہین۔

یہ تھے حقانیت کے مظاہرات اور صداقت کے نمونے جو اگرچہ اپنے وقت وقوع مین خاموشی کے ساتھ عمل مین آئے لیکن انھون نے دنیا کو دعوت حق کی پر زور آواز سے مملو کر دیا اور افراد اسلام کے اسلامی احساسات کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا اور دوسری طرف یزید اور ہوا خواہان یزید کے ظالمانہ افعال و اسلام کش حرکات کا پردہ چاک کیا۔

تبلیغ حق کے دیگر مظاہرات | عاشورے کی صبح سے لیکر عصر تک

واقعات اگر ہم لکھنا چاہین تو یہ مضمون کافی نہین ہو سکتا تاریخ شاہد ہی کہ
حسینی فوج کا ہر جوان ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بریر ہمدانی کا مباہلہ
حبیب بن مظاہر کا مکالمہ زہیر بن قین کا خطبہ اور تمام انصار و اقربا کے
وہ رجز جن مین سے ہر ایک حسینی شہادت کے اسباب و علل بیان کرنے مین ایک
مبلغ کا حکم رکھتا تھا۔ اس کا اثر ظاہر ہوا یا نہو لیکن ایک مبلغ کی کامیابی
یہ نہین ہی کہ اُس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تعداد مین پیدا ہو جائین
بلکہ اُسکی کامیابی یہ ہی کہ وہ سخت اور کٹھن موقعون پر اور دشوار گذار منازل مین
اپنے فریضہ کو ادا کر دے اور جو دعوت اُسکا حق ہی اُس کو پورا کر سکے۔

حسینی فوج کے تمام جوان داد شجاعت دیکر رخصت ہو چکے، ہاشمی خاندان کے
شیر بھی اپنے بزرگ کی حمایت مین کام آگئے صرف مظلوم حسین باقی ہین
اور دشمنون کا حلقہ ہی دل پر مصائب کا ہجوم اور آنکھون مین دنیا تاریک ہی،
مگر وہ مبلغ الٰہی، ربانی داعی مذہب اپنے فریضہ سے ایک سکینڈ کیلئے غافل
نہین ہی، وہ خطبے پڑھتا ہی، تقریرین کرتا ہی، صحابۂ رسول کو گواہ بناکر

اپنی حقیقت کا ثبوت دیتا ہی۔ کیا اس اُمید پر کہ یزیدی لشکر حسینؑ کی حالت پر رحم کھائیگا یا وہ درہم و دینار کی جلوہ آرائی اور روپیہ اشرفیوں کی جھنکار اور حکومت و سلطنت کی طمع و حرص سے آزاد ہو کر حق کے راستہ پر آجائیگا؟ لا واللہ۔ حسینؑ بھولے اور ناعاقبت اندیش نہ تھے، وہ خوب جانتے تھے مگر بنی نوع بشر کو حالات سے واقف اور باخبر بنانا چاہتے تھے، اُنھوں نے کوئی دقیقہ اظہار حق مین اُٹھا نہین رکھا اور آخری نفس تک اپنے فرض کو ادا کر گئے۔

اُسوقت بھی کہ جب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفےؐ کے قریب آ چکا تھا اور امامت کا چراغ گل ہو رہا تھا حسینؑ نے اپنے قاتل کے سامنے تبلیغ کی اور اپنے نانا کی صداقت و حقانیت کو ثابت کر دکھایا "اے شمر ذرا اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا" شمر نے نقاب ہٹائی حضرت نے فرمایا صدق واللہ جدّی "میرے نانا رسولؐ نے سچ کہا تھا کہ اے حسینؑ تیرا قاتل ایک مبروص (کوڑھی) شخص ہوگا"

روحی لک الفداء! اے حسین بن علی آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا، آپ نے اپنے نانا کے قول کی تصدیق زیر خنجر بھی ثابت کردی۔ آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی زمین پر گر رہا تھا آپکی مظلومیت کا مرثیہ خوان اور ملت اسلامیہ کا واحد مبلغ تھا۔

واقعہ کربلا کے بعض روشن پہلو

ایثار و مواسات مشترکہ ضرورت کے وقت دوسرے کو اپنے نفس پر مقدم کرنا ایثار ہے اور سخت موقع پر دوسرے کو مبتلا پا کر خود شریک مصیبت اور ہمدرد ہو جانے کا نام مواسات ہے۔

ان دونوں صفتوں کا بہتر اور مکمل ترین نمونہ زمین کربلا کے مجاہدین نے پیش کیا، ان میں سے ہر فرد نے امام کے نفس کی حفاظت کو اپنے نفس و دین پر اس طرح مقدم سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے تئیں جیتے جی معدوم سمجھ لیتے تھے۔ سید الشہداء مصلے پر نماز ظہر ادا کر رہے ہیں اور دشمنوں کے تیروں کی

پوچھا ہے۔ سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین امام کے سامنے سپر بنے ہوئے کھڑے ہیں اور ابھی نماز صبح ختم نہیں ہوئی کہ سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں۔

اور خود امام نے مفاد ملی کی حفاظت کو اپنی نفس بلکہ نفس سے عزیز تر اولاد و اقربا اور ان سے بھی بالاتر عزت و ناموس پر اس طرح مقدم کیا کہ خود دنیا کی ہر چیز سے ہاتھ دھولیا اور اپنے کو عالم بھر کے مصائب و آلام کا نشانہ بننا گوارا کیا لیکن دین اسلام کو قائم کر گئے۔

اور مواسات کا یہ عالم کہ کوئی مصیبت انصار و صحابہ پر نہیں پڑی جس میں امام نے ان کا ساتھ نہ دیا ہو انصار و اعزا کی شہادت کے عنوان مختلف تھے لیکن جب امام مظلوم کی شہادت پر ایک نظر کی جاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک عنوان کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک بناسان قتل کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ اس ایک ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔

Presented by Ziaraat.Com

حسینؑ اس دن صرف اپنی جان نہیں دے رہے تھے بلکہ دنیا کو ایثار ومواسات کا نہ بھولنے کے قابل سبق دے رہے تھے اور بے نظیر مثال قائم کر رہے تھے۔

ثبات قدم و استقلال سخت اور دشوار گذار مصائب کے باوجود قدم میں لغزش نہ ہونا ثبات و استقلال ہے اور اس امتحان میں کربلا کے مجاہدین کا نمبر سب سے اول ہے، ان کے سخت اور دشوار گذار مصائب کی نوعیت عالم سے جداگانہ تھی، سر و گردن کے باہمی ارتباط کا ایک مرتبہ دشمن شمشیر سے قطع ہو جانا ایک جانباز سپاہی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن تین دن کی بے آبی اور زخموں کی کثرت کے سبب کلیجے کے اندر آگ کا بھڑکنا ہر لحظہ احتضار و نزع روح کی تکالیف برداشت کرتے دیکھنا ننھے ننھے کمسن بچوں کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھنا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی کے عزیز ترین سرمایہ اولاد کو کھنچی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں میں بھیجنا نہیں بلکہ اپنے ہاتھ پر جگر کے ٹکڑے کو نشانہ تیر بنوا دینا

ہر انسان کا کام نہین۔ اُنکے استقلال و ثبات قدم کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہی اور اُنھون نے اسکے ذریعہ جو حیرت انگیز کامیابی حاصل کی اسکی مثال بھی ملنا ناممکن ہی۔ وہ فنا نہین ہوے بلکہ ہمیشہ کیلئے خود زندہ ہوے اور ہزارون کو زندہ کر گئے دور فلک مین جبتک اسلام کا دور ہی اُنکی یاد سچے مسلمانون کے دل مین ہمیشہ تازہ رہیگی اور سرشک غم کے سبحۂ صد دانہ پر اُن کے نام کا ورد ہوتا رہیگا۔

عزت نفس اور موت کا موازنہ

مجاہد کربلا کا نعرۂ شیرانہ

الموت اولیٰ من رکوب العار

زندگی عزیز شے ہی اور فطرت انسانی مین حیات دنیا کی محبت ودیعت کردی گئی ہی، انسان اسی کی خاطر سخت ترین دنیا کے مشکلات کو برداشت کرتا اور سرد و گرم عالم کا تحمل کرتا ہی۔ اُس کی طبیعت اگر

اور بخل وغیرہ کے سبب حد اعتدال سے خارج نہیں ہو گئی ہے تو وہ اپنی جان
کی حفاظت میں مالی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا اور تمام ممکن ذرائع
جن سے اُسکی ہستی کا بقا ممکن ہے اُن کو صرف کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام
نے بھی اس فطری رجحان کو روکنے کی کوئی وجہ نہیں پائی بلکہ لا تلقوا
بایدیکم الی التہلکۃ کے حکیمانہ حکم سے حفاظت نفس اور زندگی کی
نگہداشت کو فریضہ لازمہ قرار دیا لیکن ذاکر اعظم کے دور اور لیل و نہار
کی آمد و رفت میں ایسے نازک مواقع پیش آجایا کرتے ہیں جب جذبات
نفسانیہ میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہوتا ہے۔ زندگی
اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود اتنی مہیب و زشت میں نظر آتی ہے کہ انسان
بے اختیار اس سے آنکھ بند کر لینا پسند کرلیتا ہے اور وہ اسی محبوب شے کی
جس پر وہ ہر شے کو قربان کرتا تھا ہاتھ دھونے میں لذت محسوس کرتا ہے
یہ صورت کبھی غیر عقلی، شہوانی، جاہلانہ، ناعاقبت اندیشانہ رجحانات
سے پیدا ہوتی ہے اور اس موقع پر جان دینے کو عقل ٹھکرا کر حماقت و دم

شرع شاباش کی آواز دیتی ہے لیکن جسوقت موت سے بدتر زندگی یا زندگی
سے بہتر موت میں معاملہ پڑ گیا ہو جسوقت حیات دنیا اہم ترین مقاصد کے
پامال ہونیکا پیش خیمہ ہو اور جسوقت عزت نفس اور فنائے ظاہری کا
سوال درپیش ہو جبکہ میزان عقل نے صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر
غور کر کے موت کو حیات پر ترجیح دیدی ہو تو اسوقت موت کے منھ میں
جا پڑنیوالے دائمی حیات کے مالک ہو جاتے ہیں عزت دار ہستیاں ہمیشہ
عزت کا صدقہ جان کو سمجھتی ہیں حسین بن علیؑ نے کربلا میں جو راستہ
اپنے لئے مقرر کر لیا تھا وہ اسی اصول پر مبنی تھا، اُن کی زبان سے
نکلی ہوئی لفظیں اگرچہ وسیع صحرائے کربلا میں گونج کر فنا ہو گئیں
لیکن اُن کا پائدار مفہوم اب بھی عزت دار اقوام کے صحیفۂ حیات کا
سرنامہ اور اُن کے دیباچۂ زندگی کا عنوان اول ہے (الموت اولی
من رکوب العار) ننگ و عار کے برداشت کرنے سے موت کا آنا
بہتر ہے" اُنکی مختصر لفظیں علو ہمت کی منادی اور عزت نفس کی

ترجمان ہیں اور انہی کو حسینؑ نے عملی صورت سے دنیا کو دکھلا دیا۔

اصول کی حمایت اور قربانی

حسینؑ کی قربانی دنیا سے نرالی تھی

اس قربانی کے انتظامات عجیب و غریب تھے

کربلا کے مجاہد حسین بن علیؑ کا اصول حق کی حمایت، شریعت اسلامیہ کی نگہداشت اور جابر و ظالم طاقت کے مقابلہ میں روحانی و مذہبی خودداری کی حفاظت تھی، انھوں نے اپنے آخری نفس تک اس اصول کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، وہ اگر پہلی ہی مرتبہ اپنی جان کی قربانی پیش کر دیتے تو بہت ممکن تھا، اس قسم کی قربانیاں کم سہی لیکن مثالیں ہیں بقراط نے بھی اپنے ہاتھ سے زہر کے جام کو اٹھا کر پی لیا تھا اور اپنی جان کو مقصد پر قربان کر دیا تھا لیکن حسینؑ

بن علیؑ کا مقصد بہت اہم تھا، وہ اپنی قربانی کی نوعیت ہی، عالم سے جداگانہ قرار دینا چاہتے تھے، اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر عزیز شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور جب اپنے نفس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے تو اس متاع گرانمایہ کو قربانی کے میدان میں پیش کر دیں، اُنھوں نے رسب سے پہلے اپنے راحت و آرام، وطن کی اطمینانی زندگی کو قربان کیا جس کے سلسلہ میں اُن کو ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

روز عاشور کی قربانیوں کے سلسلہ میں اپنے محبوب ترین اصحاب و انصار، ساتھ کے کھیلے ہوئے احباب کو قربان کیا، عزیزوں کی باری آئی اور ایک ایک کر کے ان سب کو میدان قربانی میں بھیجا' اپنے داہنے بازو وفادار بھائی قمر بنی ہاشم کو قربان کیا، اپنے پیارے بھتیجے اور داماد قاسم بن الحسن کو قربان کیا، اپنے دل کی قوت آنکھوں کی روشنی اور پیری کے سہارے علی اکبر کو قربان کیا۔

Presented by Ziaraat.Com

باغ اُمید کی آخری کوپل، اور غنچۂ ناشگفتہ علی اصغرؑ کو خود اپنے ہاتھوں پر لاکر قربان کیا، ابھی تک دل کے ٹکڑوں کی قربانی ہو رہی تھی اب اعضائے بدن تک نوبت پہونچی، اُن کو ایک ایک کرکے قربان کیا۔ گوشت و پوست، سینہ و دست، دل و جگر، چہرہ و جبین بلکہ سطح جسم کا چپہ چپہ اور اجزائے بدن کا ہر ذرہ قربان کیا، نوبت یہ پہونچی کہ تیروں کو جگہ نہ ملتی اور دشمنوں کی تلواروں، نیزوں کو جستجو کے بعد بھی خالی مکان نظر نہ آتا تھا، جب جسم کا ہر حصہ اور دل کا ہر ٹکڑا قربان ہو چکا۔ صحاب و انصار اہل بیت میں سے تو پہلے ہی کوئی باقی نہیں رہا تھا اعضائے جسم کی قربانی کا بھی امکان نہ رہا، ایک ایک نیزہ پر سیکڑوں نیزے اور ایک ایک تلوار پر سیکڑوں تلواریں پڑ چکیں اور تیر بھی اپنا پورا حوصلہ نکال چکے، اب حسینؑ کیلئے کوئی چارہ کار نہ تھا، کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہیں رہی تھی صرف ایک رشتۂ حیات تھا جو روح و بدن کے درمیان کشمکش حیات کے

باوجود قائم تھا اور ایک سر و گردن کا ارتباط تھا جس میں ابتک جدائی نہوئی تھی۔

اس باہمت مظلوم کیلئے گذشتہ تمام قربانی کے مرحلوں کو طے کرنے کے بعد اس ایک قربانی کا مرحلہ بالکل آسان تھا بلکہ اس میں خاص لذت محسوس ہو رہی تھی عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی میں بھی کامیاب ہو گئے اور خنجر شمر سے کچھ دیر راز و نیاز کے بعد ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور نفس و بدن کا ظاہری حلقۂ اتصال قطع ہوا اور دوسری طرف سر و گردن کے ارتباط میں جدائی پیدا ہوئی۔

آسمان لاکھوں برس گردش کرے زمانہ کے ورق گوناگوں خصوصیتوں کیساتھ سامنے آئیں اور الٹ جائیں لیکن اتنی شاندار مکمل منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہیں ہو سکتی۔

Presented by Ziaraat.Com

حسینؑ کی شہادت کے بعد

فاطمہ زہرا کا چاند غروب ہو چکا ہی اور دشمن اپنے مقصد مین ظاہری صورت سے کامیاب ہو چکے ہین، اب کوفہ و شام کے بازار ہین اور بنی ہاشم کے گھرانے کی معزز خواتین اور اسیرون پر کربلا مین شہید ہونیوالے مظلومون کے سر نصب ہین سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہلبیت رسولؐ کیلئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہی ہون گے لیکن واقعہ یہ ہی کہ اسوقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہونچ گئی ہی اور دعوت حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہی۔ اگر چشم حقیقت بین سے نظر کرو تو نیزہ پر سر حسینؑ جس کی پیشانی پر سجدۂ معبود کا نشان پڑا ہوا ہی (سیماهم فی وجوههم من اثر السجود) چہرہ سے نور ساطع ہی۔ ہونٹ تلاوت قرآن مجید مین مشغول ہین (ام حسبت ان اصحاب الکهف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا)۔

دوسری طرف مخدرات عصمت جبان تا محرمون کے مجمع مین چادر و مقنعہ سے محروم

یہ نیکی بعد غیرت و حیا کا مجسمہ اخلاق محمدیہ کی تصویر، جاہ و جلال کی چادروں میں
پنہاں، طہارت و عفت کے اندر ملبوس اور آن کے وہ حقائق و دقائق سے
مملو خطبے کا تھا "تفرغ عن لسان ابیہا" (زینب گویا علی بن ابیطالب
کی زبان کی ہی کلام کر رہی تھیں)

یہ ہستیاں ہیں وہ جنہوں نے صداقت کے پیکر میں روح پھونک دی، دنیا کی
آنکھوں کے سامنے سے جہالت و ضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینک دیا،
عالم کو شرق سے لیکر غرب تک حسین بن علی کا مرثیہ خوان اور یزید کے زوال و
انحطاط سے بیزار و متنفر کر دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج عالم کے گوشہ گوشہ اور
دنیا کے ہر حصہ میں حسین کا نام ہے اور حجاز کا حقیقی بادشاہ کروڑوں افراد کے
دلوں پر قیامت تک کے لئے حکومت کر رہا ہے اور بنی امیہ کے جبروت و
عزت کا چراغ ہمیشہ کیلئے اس طرح گل ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہے، عالم نے
دیکھ لیا کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم، ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور مظلومیت
کی شان کیا ہے؟

علی نقی النقوی عفی عنہ (لکھنؤ)
ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ